معالم السنن اور اصطلاحاتِ حدیث

(ایک تقابلی جائزہ)

شہزادہ عمران ایوب *

محمد اعجاز **

معالم السنن امام ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم الخطابیؒ کی تصنیف ہے۔امام خطابیؒ کا زمانۂ حیات ۳۱۹ھ تا ۳۸۸ھ ہے۔آپ کی پیدائش تو افغانستان کے شہر ''بست'' میں ہوئی لیکن ابتدائی تعلیم کے بعد حصولِ علم کی غرض سے آپ نے مکہ، بغداد، بصرہ اور نیشاپور وغیرہ میں بھی لمبا عرصہ قیام کیا۔پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ اپنے وقت کے عظیم محدث شمار ہونے لگے۔علم حدیث کے علاوہ آپ بعض دیگر علوم وفنون کی بھی معرفت رکھتے تھے جیسے فقہ، ادب،لغت اور طب وغیرہ۔

امام خطابیؒ نے بہت سی عمدہ اور گرانقدر کتب بھی تصنیف فرمائیں جن میں غریب الحدیث، معالم السنن، اعلام الحدیث اور اصلاح غلط المحدثین قابل ذکر ہیں۔آپ کی ان کتب میں معالم السنن نہایت اہم مقام ومرتبہ کی حامل ہے کیونکہ دستیاب معلومات کے مطابق یہ صحاح ستہ کے ایک جزوِ اعظم ''سنن ابوداود'' کی پہلی شرح ہے۔چوتھی صدی ہجری میں تحریر کی جانے والی یہ شرح پہلی بار تیرہ سو اکاون ہجری میں مطبعہ علمیہ حلب سے شائع ہوئی جس کا اہتمام شام کے معروف عالم دین شیخ محمد راغب طباخ نے کیا، انہوں نے اسے طلبائے علومِ دینیہ کے فائدے کے لئے ایڈٹ کر کے چار اجزاء میں طبع کرایا جو آج بھی اسی حالت میں مطبوع ہے۔

معالم السنن بہت سے امتیازی اوصاف کی حامل ہے کہ جن میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ کتاب امام خطابیؒ کی بیان کردہ علومِ حدیث سے متعلقہ بہت سی اصطلاحات کا اہم مرجع ہے۔آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں بالاختصار کچھ اصطلاحات ذکر فرمائی ہیں اور کچھ کا ذکر آپ نے کتاب کے دوران کیا ہے۔جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں آپ نے حدیث کی اقسام (صحیح حدیث،حسن حدیث اور سقیم حدیث) کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ضعیف کی انواع بیان کرتے ہوئے موضوع،مقلوب اور مجہول کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح مقدمہ میں ہی آپ نے خبر اور اثر کی

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، رائے ونڈ روڈ، لاہور۔پاکستان

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

اصطلاح بھی ذکرفرمائی ہے۔ پھر آپ نے کتاب کے دوران متعدد مقامات پر مرفوع، موقوف، منقطع اور مرسل وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال فرمائی ہیں۔ اسی طرح بعض مقامات پر محفوظ، شاذ، مضطرب اور مدرج وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان اصطلاحات کا تعارف، امثلہ اور مزید کچھ تفصیل اس مقالہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

خبر

امام خطابیؒ نے خبر کی اصطلاح کو حدیث کے مترادف کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ نے حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ

أتى رسول الله ﷺ سباطة قوم فبال قائما

''رسول اللہ ﷺ لوگوں کے کوڑے کی جگہ پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔''(۱)

اس کی شرح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے: وفی الخبر دلیل علی ان مدافعة البول ومصابرته مکروهة لما فيه من الضرر والأذى ''اور اس خبر (یعنی حدیث) میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ پیشاب کو روک کے رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نقصان اور تکلیف ہے۔''(۲)

اس عبارت میں یہ بات ظاہر ہے کہ آپ نے خبر کو حدیث کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ

نهى رسول الله ﷺ عن الاختصار فی الصلاة

''رسول اللہ ﷺ نے دورانِ نماز پہلوؤں پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔''(۳)

اس کی شرح میں آپ نے نقل فرمایا ہے کہ وقد روی فی بعض الاخبار أن ابلیس أهبط الی الارض كذلك ''اور بعض اخبار (احادیث) میں منقول ہے کہ ابلیس کو اسی حالت میں زمین پر اتارا گیا تھا۔''(۴)

ایک مقام پر میراث سے متعلقہ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد آپ نے ذکر فرمایا ہے کہ قد روی ابوداود هذه الاخبار كلها ... ''ان تمام اخبار (احادیث) کو ابوداودؒ نے روایت کیا ہے۔''(۵)

ایک جگہ اوقاتِ نماز سے متعلقہ بیان میں آپ نے ذکر فرمایا ہے کہ وهذا يدل على ان للمغرب وقتين كسائر الصلوات وقد وردت فيه اخبار اكثرها صحيح ''اور یہ ثبوت ہے کہ ساری نمازوں کی طرح نمازِ مغرب کے بھی دو وقت ہیں اور اس بارے میں کئی اخبار (احادیث) موجود ہیں جن میں سے اکثر صحیح ہیں۔''(۶)

درج بالا تمام امثلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام خطابیؒ کے نزدیک خبر حدیث کے مترادف ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ دیگر علماء ومحدثین میں سے اگرچہ بعض نے خبر اور حدیث میں کچھ فرق بھی کیا ہے تاہم ان کی

اکثریت نے خبر کو حدیث کے معنی میں ہی استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے خبر اور حدیث کے فرق کے بیان میں پہلا قول یہ نقل فرمایا ہے کہ الخبر عند علماء هذا الفن مرادف للحديث(۷) ''اس فن کے علماء کے نزدیک خبر حدیث کے مترادف ہی ہے۔'' اور پھر ایک قول یہ نقل فرمایا ہے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حدیث وہ ہے جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو جبکہ خبر وہ ہے جو نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور سے منقول ہو۔

حدیث اور خبر کے متعلق امام سیوطیؒ نے ایک قول یہ نقل فرمایا ہے کہ بینهما عموم وخصوص مطلق فكل حديث خبر ولا عكس (۸) ''ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لہٰذا ہر حدیث خبر ہے جبکہ ہر خبر حدیث نہیں۔''

امام حاکمؒ نے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ فقد حث المصطفى في هذا الخبر(۹) ''نبی مصطفیٰ ﷺ نے اس خبر (یعنی حدیث) میں ترغیب دلائی ہے ...۔'' جیسا کہ عبارت سے واضح ہے کہ یہاں امام حاکمؒ نے خبر کو حدیث کے مترادف کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔

ایک مقام پر خطیب بغدادیؒ نے بھی مختصر حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ وساق الخبر بطوله(۱۰) ''اور راوی نے طویل خبر (حدیث) کو بیان کیا۔''

ان شواہد کے علاوہ متعدد دیگر شواہد بھی پیش کئے جا سکتے ہیں، یہاں صرف طوالت سے بچتے ہوئے انہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ علماء ومحدثین کی اکثریت نے خبر کو حدیث کے مترادف کے طور پر استعمال فرمایا ہے اور انہوں نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ یہی بات ڈاکٹر صبحی صالح نے بھی بیان فرمائی ہے کہ فلا ضير في تسمية الحديث خبرا والخبر حديثا(۱۱) ''پس حدیث کا نام خبر اور خبر کا نام حدیث رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

اثر

امام خطابیؒ نے اثر کی اصطلاح بھی ذکر فرمائی ہے اور اکثر وبیشتر اس سے اقوالِ صحابہ ہی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ نے نقل فرمایا کہ جاء في الاثر أن عدد آي القرآن على قدر درج الجنة(۱۲) ''ایک اثر میں آیا ہے کہ قرآنی آیات کی تعداد جنت کے درجات کے برابر ہے۔'' واضح رہے کہ یہ اثر دراصل حضرت عائشہؓ کا قول ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔ (۱۳) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر بھی آپ نے اثر کو حدیث کے مقابلے میں موقوف روایت کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ (۱۴)

تاہم بعض اوقات آپ اثر کو حدیث کے معنی میں بھی استعمال فرماتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ میں آپ نے ذکر فرمایا ہے کہ فاما اهل هذا الطبقة الذين هم أهل الاثر والحديث ...(۱۵) ''پس اس طبقہ والے جو اہل

حدیث واثر ہیں۔" یہاں امام خطابیؒ نے اثر کو حدیث کے مترادف کے طور پر استعمال فرمایا ہے۔

دیگر علماء ومحدثین کی اکثریت نے بھی اثر کو موقوف اور مرفوع دونوں طرح کی روایات کے لئے استعمال فرمایا ہے چنانچہ امام نوویؒ نے اثر کو حدیث کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ وهو الاثر المشهور عن رسول الله ﷺ من حدث عني بحديث ...(۱۶) "اور یہ مشہور اثر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی ..."

ایک دوسرے مقام پر امام نوویؒ نے نقل فرمایا ہے کہ وعند فقهاء خراسان تسمية الموقوف بالاثر، والمرفوع بالخبر وعند المحدثين كله يسمى أثرا (۱۷) "خراسان کے فقہاء کے نزدیک موقوف روایت کو اثر جبکہ مرفوع روایت کو خبر کا نام دیا جاتا ہے جبکہ محدثین کے نزدیک ان تمام (مرفوع وموقوف) روایات کو اثر کا نام دیا جاتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک اثر کی اصطلاح حدیثِ نبوی اور قولِ صحابی دونوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ مزید برآں حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابوجعفر طبریؒ نے اپنی کتاب کا نام "تہذیب الآثار" رکھا ہے جبکہ انہوں نے اس میں مرفوع اور موقوف دونوں طرح کی روایات نقل فرمائی ہیں۔ اسی طرح امام طحاویؒ کی کتاب "شرح معانی الآثار" ہے، وہ بھی موقوف اور مرفوع دونوں طرح کی روایات پر مشتمل ہے۔ (۱۸)

حدیث کی تقسیم

امام خطابیؒ نے حدیث کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا ان الحديث ينقسم عند اهله على ثلاثة اقسام ؛ حديث صحيح وحديث حسن وحديث سقيم(۱۹) "محدثین کے نزدیک حدیث کی تین اقسام ہیں، صحیح حدیث، حسن صحیح اور ضعیف حدیث۔"

اس تقسیم کے متعلق حافظ عراقیؒ نے فرمایا ہے کہ ولم أر من سبق الخطابى الى تقسيمه ذلك وان كان فى كلام المتقدمين ذكر الحسن وهو موجود فى كلام الشافعى والبخارى وجماعة ولكن الخطابى نقل التقسيم عن اهل الحديث وهو امام ثقة (۲۰)"اور میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جو اس تقسیم میں امام خطابیؒ پر سبقت لے کر گیا ہو اگرچہ متقدمین کے کلام میں حسن کا ذکر موجود ہے، چنانچہ امام شافعی، امام بخاری اور (اہل علم کی) ایک جماعت کے کلام میں اس کا ذکر ہے لیکن امام خطابیؒ نے (پہلی مرتبہ) محدثین سے یہ تقسیم نقل فرمائی ہے اور آپ ثقہ امام تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حدیث کی مذکورہ تین اقسام بیان کرنے والے امام خطابیؒ ہی ہیں۔ تاہم امام ابن تیمیہؒ نے جو یہ نقل فرمایا ہے کہ واما قسمة الحديث الى صحيح وحسن وضعيف فهذا اول من

عرف انه قسمه هذه القسمة أبو عيسى الترمذى ولم تعرف هذه القسمة عن احد قبله (۲۱) ''حدیث کی صحیح ،حسن اورضعیف (تین انواع) میں تقسیم کی بات کی جائے تو سب سے پہلے جو معروف ہیں کہ انہوں نے یہ تقسیم کی تھی وہ ابوعیسیٰ الترمذیؒ ہیں، ان سے پہلے کسی ایک سے بھی یہ تقسیم معروف نہیں۔''

تو اس کے متعلق اہل علم نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ امام ترمذیؒ نے صحیح اور ضعیف کے علاوہ سب سے پہلے حسن حدیث کا ذکر فرمایا تھا جیسا کہ ان کی کتاب ''جامع ترمذی'' میں بہت سی احادیث پر حسن کا حکم موجود ہے۔اس لحاظ سے امام ابن تیمیہؒ کی بات اپنی جگہ درست ہے لیکن اگر حدیث کی تین انواع میں تقسیم کی بات کی جائے تو اس تقسیم کی صراحت سب سے پہلے امام خطابیؒ نے ہی فرمائی ہے جیسا کہ حافظ عراقیؒ کے درج بالا بیان میں مذکور ہے۔

صحیح حدیث

امام خطابیؒ نے حدیث کی ایک قسم صحیح بھی بیان فرمائی ہے اور اس کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ما اتصل سنده وعدلت نقلته (۲۲) جس کی سند متصل اور نقل کرنے والے (راوی) عادل ہوں۔

تعریف کے ان الفاظ ''اس کی سند متصل ہو'' سے منقطع روایت خارج ہو جاتی ہے اور منقطع روایت وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو، تو جس کی سند متصل نہیں وہ حدیث صحیح نہیں۔ دیگر تمام ائمہ محدثین بھی اسی کے قائل ہیں۔اسی طرح آپ نے تعریف میں یہ الفاظ ''اور اس کے راوی عادل ہوں'' بھی ذکر فرمائے ہیں۔یعنی حدیث کو نقل کرنے والے ہر راوی میں وصفِ عدالت اس قدر موجود ہو کہ جس قدر کی 'اس کی روایت کو قبول کرنے کے لئے' ضرورت ہے، اس پر کسی نے ایسی جرح نہ کی ہو کہ جو اس کی روایت کو رد کرنے کی موجب ہو۔یہی دیگر محدثین کی بھی رائے ہے۔

رواۃ میں عدل کی شرط کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن صلاحؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اجمع جماهير ائمة الحديث والفقه على انه يشترط فيمن يحتج بروايته أن يكون عدلا ...(۲۳) ''جمہور ائمہ محدثین وفقہا نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جس راوی کی روایت کو قابل حجت قرار دیا جائے گا اس کے متعلق شرط ہے کہ وہ عادل (یعنی مسلمان، بالغ، عاقل اور اسبابِ فسق سے پاک) ہو۔''

تاہم متاخر محدثین نے صحیح حدیث کی اس تعریف میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ راوی عادل کے ساتھ ساتھ ضابط بھی ہوں (یعنی جس چیز کو روایت کر رہے ہیں اسے سینے میں یا لکھ کر انہوں نے خوب اچھی طرح محفوظ کیا ہو) اور یہ کہ اس میں نہ تو شذوذ ہو (یعنی اس میں کسی ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت نہ کی ہو) اور نہ ہی کوئی علت ہو (یعنی اس میں کوئی ایسی خفیہ خرابی نہ ہو جو صحتِ حدیث میں قادح ہو)۔جیسا کہ امام نوویؒ نے صحیح حدیث کی تعریف ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے کہ ما اتصل سنده بالعدول الضابطين من غير شذوذ ولا علة (۲۴) ''جس کی سند متصل

ہو، اسے روایت کرنے والے راوی (اول تا آخر) عادل اور ضابط ہوں (اور وہ) شاذ یا معلول نہ ہو۔‘‘

امام ابن ملقنؒ نے صحیح حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ فالصحیح المجمع علیه ما اتصل اسناده بالعدول الضابطین من غیر شذوذ ولا علة (۲۵) ’’صحیح حدیث (کی تعریف) جس پر اتفاق کیا گیا ہے یہ ہے کہ جس کی سند متصل ہو، اس کے راوی عادل اور ضابط ہوں، اور وہ حدیث شاذ یا معلول بھی نہ ہو۔‘‘

حسن حدیث

حدیث کی دوسری قسم امام خطابیؒ نے ’’حسن‘‘ بیان فرمائی ہے۔ اس قسم کا ذکر آپ نے مقدمہ میں کیا ہے۔ مقدمہ کے علاوہ کتاب کے دوران اس قسم کا کہیں ذکر راقم الحروف کو نہیں ملا کہ آپ نے کسی حدیث پر حسن کا حکم لگایا ہو۔ مقدمہ میں حسن کے ذکر کے ساتھ آپ نے حسن حدیث کی تعریف بھی فرمائی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ما عرف مخرجه واشتهر رجاله وعلیه مدار اکثر الحدیث ، وهو الذی یقبله اکثر العلماء ویستعمله عامة الفقهاء (۲۶) ’’یعنی حسن حدیث وہ ہے جس کا مخرج معروف ہو، اس کے راوی مشہور ہوں، اکثر احادیث کا مدار اسی پر ہے، اس کو اکثر علماء قبول کرتے ہیں اور عام فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں۔‘‘

اس تعریف کی کچھ توضیح حسب ذیل ہے:

☆ ’’جس کا مخرج معروف ہو‘‘۔

مخرج کا معنی ہے نکلنے کی جگہ، اور یہاں مراد ہے حدیث کے نکلنے کی جگہ، اور وہ حدیث کے راوی ہیں کیونکہ ہر راوی سے حدیث نکل کر آگے پہنچتی ہے، تو اس تعریف کا مطلب یہ ہوا کہ حسن حدیث وہ ہے جس کے راوی معروف ہوں، بالفاظِ دیگر اس کی سند متصل ہو اور اس کا کوئی راوی بھی ساقط یا مجہول نہ ہو۔ امام سیوطیؒ نے بھی اس کی یہی وضاحت فرمائی ہے کہ امام خطابیؒ کی تعریف میں موجود مخرج کی معرفت سے انہوں نے منقطع روایت کو اس سے خارج کیا ہے۔ (۲۷)

☆ ’’اس کے راوی مشہور ہوں‘‘۔

یعنی عدالت وضبط میں مشہور ہوں لیکن ان چیزوں میں ان کی شہرت صحیح کے راویوں سے کم ہو۔ چنانچہ زین الدین ابو یحییٰ انصاری سنیکیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ وقد اشتهر رجاله بالعدالة والضبط اشتهارا دون اشتهار رجال الصحیح (۲۸) ’’اور اس کے راوی مشہور ہوں (یعنی) عدالت اور ضبط میں، لیکن ان کی شہرت صحیح کے راویوں کی شہرت سے کم ہو۔‘‘

اور علامہ بقاعیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے امام خطابیؒ کی اس عبارت ’’اور اس

کے راوی مشہور ہوں'' کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ ''اس کے راوی ایسی متوسط صفات کے ساتھ معروف ہوں جو صحیح اورضعیف کی صفات کے درمیان ہوں، پس ان میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ وہ اس پختگی کو پہنچتے ہوں جو صحیح کے رواۃ میں مشروط ہے بلکہ ان کی پختگی ان سے کم درجہ کی ہوگی اور نہ ہی وہ ضبط کی کمی میں اس حد سے نیچے ہوں جو ضعیف تک پہنچتی ہو۔'' (۲۹)

☆ ''اکثر احادیث کا مدار اسی پر ہے''۔

یعنی اکثر احادیث ایسی ہیں جو صحیح کے درجہ سے کم حسن درجہ کی ہی ہوتی ہیں۔جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اس کی وضاحت میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ''(اکثر احادیث کا مدار اسی پر ہے) کیونکہ اکثر و بیشتر احادیث صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتیں۔'' (۳۰)

☆ ''اس کو اکثر علماء قبول کرتے ہیں''۔

یعنی اس سے حجت پکڑتے ہیں، کیونکہ راجح رائے یہی ہے کہ حسن حدیث قابل حجت ہے اگرچہ وہ درجے میں صحیح سے کم ہے۔

☆ ''اور عام فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں''۔

یعنی ثبوتِ احکام کے لئے بالعموم فقہاء اسی قسم کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ اکثر احکام کا مدار حدیث کی اسی قسم پر ہے۔ چنانچہ حافظ سخاویؒ نے اس کی توضیح میں نقل فرمایا ہے کہ ''فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں یعنی احکام وغیرہ میں عمل اور حجت پکڑنے کے لئے اسے استعمال کرتے ہیں۔'' (۳۱)

اس تفصیل کے پیش نظر امام خطابیؒ کی بیان کردہ حسن حدیث کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن حدیث وہ ہے جس کی سند متصل اور راوی عدالت میں مشہور ہوں (لیکن وہ درجے میں صحیح کے راویوں سے کم ہوں)۔ نیز اکثر احادیث حسن درجہ کی ہی ہیں، یہ حدیث علماء کے نزدیک قابل حجت ہے اور حدیث کی اسی قسم سے اکثر فقہاء مسائل واحکام کا استنباط واستخراج کرتے ہیں اور اس سے حجت پکڑتے ہیں۔

دیگر علماء ومحدثین کے نزدیک بھی تقریباً حسن حدیث کی یہی تعریف ہے، کہ اس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل اور ضابط ہوں، البتہ انہوں نے صرف یہ فرق کیا ہے کہ رواۃ کے ضبط میں کچھ کمی ہو تو وہ حدیث حسن ہے اور اگر رواۃ کا ضبط پورا ہو تو پھر وہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے حسن حدیث کی تعریف کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمائی ہے۔ (۳۲)

علاوہ ازیں بالعموم محدثین نے صحیح اور حسن حدیث کی تعریف میں عدمِ شذوذ وعلت کی بھی شرط لگائی ہے کہ

جس کی تصریح امام خطابیؒ نے اپنی اس تعریف میں نہیں کی۔

ضعیف حدیث

حدیث کی تیسری قسم امام خطابیؒ نے سقیم یعنی ضعیف ذکر فرمائی ہے۔(۳۳)لیکن آپ نے اس قسم کی تعریف نہیں فرمائی بلکہ صرف اس کے طبقات کے بیان پر ہی اکتفاء فرمایا ہے۔ممکن ہے کہ آپ نے اس قسم کی تعریف اس لئے نہ کی ہو کہ جب صحیح اور حسن کی وضاحت کر دی ہے تو جو بھی ان دونوں قسموں کے علاوہ ہوگی وہ ضعیف ہی ہوگی۔

علاوہ ازیں ظاہر یہی ہوتا ہے کہ امام خطابیؒ کے نزدیک سقیم اور ضعیف دونوں مترادف الفاظ ہیں۔اس لئے کہ ایک تو ان کے لغوی معانی بھی قریب قریب ہی ہیں جیسا کہ سقیم کا معنی مریض ہے جبکہ ضعیف وہ ہے جو غیرقوی ہو۔اور دوسرے یہ کہ آپ نے حدیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے صحیح اور حسن کے ساتھ سقیم کا ذکر فرمایا ہے،جس سے یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ضعیف ہی ہے۔اور پھر سقیم کی مختلف انواع میں سے آپ نے بدترین نوع ''موضوع'' ذکر فرمائی ہے،جو بلاشبہ ضعیف ہی کی بدترین نوع ہے۔

واضح رہے کہ کتاب کے دوران آپ نے حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سقیم کی بجائے لفظ ضعیف ہی استعمال فرمایا ہے۔اور ضعف کی وضاحت کے لئے آپ نے مختلف اسالیب اختیار فرمائے ہیں،جن میں سے چند یہ ہیں:

- ☆ والحدیث ضعیف (۳۴)''اور (یہ) حدیث ضعیف ہے۔''
- ☆ اسنادہ ضعیف (۳۵)''اس کی سند ضعیف ہے۔''
- ☆ لم یثبت (۳۶)''(یہ) حدیث ثابت نہیں۔''

ضعیف حدیث کے مختلف درجات بیان کرتے ہوئے آپ نے نقل فرمایا ہے کہ فاما السقیم منه فعلی طبقات شرھا الموضوع ثم المقلوب أعنی ما قلب اسنادہ ثم المجھول(۳۷)''ضعیف حدیث کے مختلف درجات ہیں جن میں سے بدترین موضوع ہے،پھر مقلوب ہے یعنی جس کی سند تبدیل کر دی گئی ہو اور پھر مجہول ہے۔''

یہاں آپ نے ضعیف حدیث کی صرف تین انواع بیان کرنے پر ہی اکتفاء فرمایا ہے،ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ یہی تین اقسام آپ کے نزدیک زیادہ سخت ضعیف ہوں۔ورنہ ضعیف حدیث کی دیگر بہت سی اقسام بھی ہیں جیسے مرسل،منقطع،متروک،منکر،اور معلول وغیرہ کہ جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔البتہ آپ نے ضعیف حدیث کی بدترین قسم موضوع روایت کو قرار دیا ہے تو دیگر علماء ومحدثین بھی اسی قسم کو ضعیف حدیث

کی سب سے بری نوع شمار کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن صلاحؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اعلم ان الحدیث الموضوع شر الاحادیث الضعیفة (۳۸)''جان لو کہ موضوع حدیث ضعیف احادیث میں سے سب سے بری ہے۔''

اورنور الدین عتر نے نقل فرمایا ہے کہ والحدیث الموضوع ھو شر الاحادیث الضعیفة واشدھا خطرا وضررا علی الدین واھله (۳۹)''اور موضوع حدیث ضعیف احادیث کی بدترین قسم اور سب سے زیادہ خطرے کا باعث اور دین اور اہل دین کے لئے سب سے زیادہ نقصان کا ذریعہ ہے۔''

ضعیف حدیث کا حکم

ضعیف حدیث کے متعلق امام خطابیؒ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ اسے قابل حجت نہیں سمجھتے اور آپ کے نزدیک اس پر عمل بھی نہیں کیا جائے گا۔جیسا کہ اس کا ثبوت درج ذیل اُمور ہیں:

(۱) معالم السنن کے مقدمہ میں آپ نے فقہاء پر یہ عیب لگایا ہے کہ وہ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان تمیز نہیں کرتے اور ضعیف حدیث کو قبول کر لیتے ہیں۔جیسا کہ آپ نے نقل فرمایا ہے کہ

واما الطبقة الاخری وھم اھل الفقه والنظر فان اکثرھم لا یعرجون من الحدیث الا علی اقله ولا یکادون یمیزون صحیحه من سقیمه ... وتعاورته الالسن (۴۰)''اور رہی بات دوسرے طبقہ کی جو کہ اہل فقہ ونظر ہیں تو ان کی اکثریت ایسی ہے جو حدیث سے بہت کم ہی واقفیت رکھتی ہے۔نہ تو یہ لوگ صحیح حدیث کو ضعیف سے الگ کر سکتے ہیں اور نہ ہی جید کی رڈی سے پہچان رکھتے ہیں۔اور انہیں جو بھی روایت پہنچے یہ اپنے جھگڑوں (مناظروں) میں اس سے حجت پکڑنے میں کوئی بھی پروانہیں کرتے جبکہ وہ روایت ان کے مذاہب سے موافقت رکھتی ہو کہ جن کی طرف انہوں نے خود کو منسوب کر رکھا ہے اور ان کی اُن آراء کے موافق ہو کہ جن کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔اور متعدد مقامات پر انہوں نے آپس میں ضعیف اور منقطع روایت کو قبول کرنے کی بھی اصطلاحات مقرر کر رکھی ہیں بشرطیکہ وہ روایت ان کے ہاں مشہور اور زبان زد عام ہو چکی ہو۔''

(۲) ایک مقام پر آپ نے یہ فرمایا ہے کہ واذا لم یثبت الحدیث لم یلزم القول به (۴۱)''جب حدیث ثابت نہ ہو تو اس کے مطابق فتویٰ دینا لازم نہیں۔''

(۳) اور ایک اور جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ اذا صح الحدیث وجب القول به (۴۲)''جب حدیث ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق فتویٰ دینا واجب ہے۔''

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کے متعلق امام خطابیؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ قابل حجت نہیں اور نہ ہی قابل عمل ہے۔واضح رہے کہ ضعیف حدیث کا یہی حکم دیگر متعدد اہل علم سے بھی منقول ہے جیسا کہ

علامہ جمال الدین قاسمیؒ نے ضعیف حدیث کے حکم کے بارے میں ایک رائے یہ نقل فرمائی ہے کہ اس پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، نہ تو احکام میں اور نہ ہی فضائل میں۔ یہ قول ابن سید الناس نے یحییٰ بن معینؒ سے نقل فرمایا ہے اور ابوبکر ابن عربیؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی بھی یہی رائے ہے اور امام ابن حزمؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۴۳)

امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ ولا یجوز ان یعتمد فی الشریعة علی الاحادیث الضعیفة التی لیست صحیحة ولا حسنة (۴۴)''اور یہ جائز نہیں کہ شریعت میں ایسی ضعیف احادیث پر اعتماد کیا جائے کہ جو نہ صحیح ہوں اور نہ ہی حسن۔'' اور امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ وما وقع التصریح بضعفه لم یجز العمل به (۴۵) ''اور جس حدیث کے ضعف کی صراحت موجود ہو اس پر عمل جائز نہیں۔''

معلوم ہوا کہ امام خطابیؒ کی طرح دیگر متعدد علماء ومحدثین کے نزدیک بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کی اجازت دی ہے لیکن انہوں نے یہ اجازت درج ذیل تین شرائط کے تحت ہی دی ہے:

(۱) اس کا ضعف شدید نہ ہو۔ (۲) وہ کسی معمول بہ اصل کے تحت ہو۔

(۳) اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا نہیں بلکہ محض احتیاط کا اعتقاد رکھا جائے۔(۴۶)

مرفوع، موقوف

امام خطابیؒ نے معالم السنن میں مرفوع اور موقوف کی اصطلاحات بھی استعمال فرمائی ہیں اور ان سے مراد وہی لیا ہے جو جمہور کے نزدیک ان سے مراد ہے اور جمہور کے نزدیک ان سے مراد یہ ہے کہ

☆ **مرفوع:** ما اضیف الی النبی ﷺ ...(۴۷) ''جو (قول، فعل، تقریر یا وصف) نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو (اسے مرفوع حدیث کہتے ہیں)۔''

☆ **موقوف:** ما یروی عن الصحابة رضی الله عنهم من اقوالهم وافعالهم (۴۸)''جو اقوال وافعال صحابہ کرامؓ سے منقول ہوں (انہیں موقوف کہتے ہیں)۔''

یعنی جو قول یا فعل نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو اسے مرفوع حدیث جبکہ جو قول یا فعل کسی صحابی کی طرف منسوب ہو اسے موقوف حدیث کہتے ہیں۔ امام خطابیؒ نے ان اصطلاحات کو انہی معانی میں استعمال فرمایا ہے، اس کی چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

☆ عن جابر رفعه قال : اکفتوا صبیانکم عند العشاء ...(۴۹) ''جابرؓ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا ''عشاء کے وقت اپنے بچوں کو (گھروں میں) روکے رکھو۔''

☆ والصحیح فی ھذا الباب حدیث عبد الله بن سرجس وھو موقوف ومن رفعه فقد أخطأ (۵۰) ''اور اس مسئلے میں صحیح عبداللہ بن سرجسؓ کی حدیث ہے اور وہ موقوف ہے اور جس نے اسے مرفوع کہا اس نے غلطی کی۔''

ان امثلہ سے معلوم ہوا کہ امام خطابیؒ نے مرفوع کو نبی کریم ﷺ سے منقول حدیث اور موقوف کو صحابی سے منقول حدیث کے لئے استعمال فرمایا ہے۔

منقطع

امام خطابیؒ نے منقطع کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی ہے اور اس سے مراد وہ حدیث لی ہے جس کی سند میں انقطاع ہو، یعنی راوی نے اس شخص سے سماع نہ کیا ہو کہ جس سے روایت بیان کر رہا ہے۔ اس کی چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

☆ ایک مقام پر آپ نے نقل فرمایا ہے کہ هو منقطع لأن التیمی لم یسمع من عائشة (۵۱) ''یہ روایت منقطع ہے کیونکہ تیمی نے عائشہؓ سے کچھ نہیں سنا۔''

☆ ایک دوسرے مقام پر آپ نے نقل فرمایا کہ ھذا الحدیث منقطع وعکرمة لم یسمع من ام حبیبة (۵۲) ''یہ حدیث منقطع ہے اور عکرمہ نے ام حبیبہؓ سے کچھ نہیں سنا۔''

ان امثلہ سے معلوم ہوا کہ اگر سند میں کوئی راوی ساقط ہو خواہ کوئی صحابی یا کوئی اور، تو امام خطابیؒ کے نزدیک وہ روایت منقطع ہوتی ہے۔ جمہور فقہاء ومحدثین بھی اسی کے قائل ہیں کہ منقطع روایت وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو خواہ اس میں انقطاع کی کوئی بھی صورت پائی جائے، خواہ ساقط ہونے والا راوی کوئی صحابی ہو یا کوئی اور، اس معنی میں یہ اور مرسل ایک ہی چیز ہیں (فرق صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی صحابی ساقط ہو تو وہ مرسل ہے اور اگر صحابی سے پہلے کوئی راوی ساقط ہو تو وہ منقطع ہے)۔ (۵۳)

البتہ امام خطابیؒ نے اُس روایت کو بھی منقطع ہی شمار کیا ہے جس کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو۔ جیسا کہ ایک مقام پر آپ نے نقل فرمایا ہے کہ ان الخبرین معا غیر متصلین لأن فی احدھما وھو خبر حکیم بن حزام رجلا مجھولا ، لایدری من ھو (۵۴) ''یہ دونوں روایات متصل نہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ایک 'حکیم بن حزامؓ کی روایت' میں ایک راوی مجہول ہے، اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ کون ہے۔''

تو اس بارے میں یاد رہے کہ امام خطابیؒ کی طرح بعض دیگر محدثین سے بھی ایک قول یہی منقول ہے کہ انہوں نے اس روایت کو بھی منقطع شمار کیا ہے کہ جس کی سند میں کوئی راوی مبہم ومجہول ہو۔ جیسا کہ حافظ ابن صلاحؒ

نے امام حاکمؒ کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے منقطع روایت کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ''وہ روایت بھی منقطع ہے کہ جس کی سند میں کوئی راوی کسی مبہم لفظ کے ساتھ مذکور ہو جیسے کہ رجل، شیخ یا ان دونوں جیسا کوئی اور مبہم لفظ استعمال کیا گیا ہو۔'' (۵۵) اسی طرح امام نوویؒ نے بھی منقطع روایت کے متعلق ایک قول یہی نقل فرمایا ہے۔ (۵۶)

مرسل

امام خطابیؒ نے مرسل کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی ہے۔ اس کی چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

☆ ایک مقام پر آپ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ''ابانؒ سے روایت ہے کہ جناب عامر شعبیؒ (تابعی) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے کوئی ایسا جانور ملا ہو کہ اس کے مالک اس کو چارہ دینے سے عاجز آ گئے ہوں اور پھر انہوں نے اسے چھوڑ دیا ہو تو جو کوئی اسے لے لے اور اسے زندہ کر لے تو وہ اسی کا ہوا۔'' (۵۷) اس کے تحت آپ نے نقل فرمایا ہے کہ هذا الحديث مرسل ''یہ حدیث مرسل ہے۔'' (۵۸)

☆ ایک جگہ آپ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ''ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشامؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی مال بیچا ہو اور پھر خریدار کنگال ہو گیا ہو اور بیچنے والے نے اس کی کوئی قیمت وصول نہ کی ہو پھر وہ اپنے مال کو اس کے پاس بعینہٖ پائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' (۵۹) اس کے تحت امام خطابیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ رواه مالك مرسلاً ''اسے امام مالکؒ نے مرسل روایت کیا ہے۔'' (۶۰)

ان امثلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام خطابیؒ نے مرسل کی اصطلاح کو اسی معنی میں استعمال فرمایا ہے کہ جس معنی میں دیگر محدثین اسے استعمال فرماتے ہیں۔ یعنی وہ روایت جس میں کوئی تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرے۔

جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ''مرسل روایت وہ ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی (یعنی صحابی) ساقط ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تابعی یوں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا یا اس طرح کیا یا آپ کی موجودگی میں اس طرح کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔'' (۶۱)

امام حاکمؒ نے مرسل روایت کے متعلق یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ''بیشک مشائخ حدیث (محدثین) کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرسل حدیث وہ ہے کہ جسے کوئی محدث تابعی تک متصل اسناد کے ساتھ روایت کرے اور پھر تابعی (صحابی کے واسطے کے بغیر) یوں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔'' (۶۲)

محفوظ، شاذ

بعض مقامات پر امام خطابیؒ نے محفوظ کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی ہے جیسا کہ جہاں آپ نے یہ

حدیث نقل فرمائی ہے کہ ''ابوطفیلؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔سعید جریریؒ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان کو کیسی حالت میں دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا: آپ سفید رنگ اور انتہائی خوبصورت تھے اور جب چلتے تھے تو لگتا تھا کہ اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔'' (۶۳)

اس کی شرح کرتے ہوئے آپ نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ وقد جاء فی اکثر الروایات كأنه يمشی فی صبب ، وهو المحفوظ ''اور اکثر روایات میں (كأنما يهوی فی صبوب ''جب چلتے تھے تو لگتا کہ اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہیں'' کے بجائے) یہ لفظ وارد ہوئے ہیں كأنه يمشی فی صبب (یعنی آپ ﷺ ایسے چلتے تھے گویا آپ ڈھلوان جگہ میں چل رہے ہیں) اور یہی لفظ محفوظ ہیں۔'' (۶۴)

معلوم ہوا کہ جو الفاظ زیادہ روایات میں موجود ہیں انہیں آپ نے محفوظ قرار دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر آپ نے محفوظ کی اصطلاح کو اس معنی میں استعمال کیا ہے کہ کم تعداد کے مقابلے میں اکثریت جس پر ہو وہ محفوظ ہے۔ جبکہ جس پر کم تعداد ہو یا اکثریت کے مقابلے میں جو رائے منفرد کی ہو اس کے لئے آپ نے شاذ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک مقام پر امام ربیعہؒ کی یہ منفرد رائے ذکر فرمائی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لئے وضوء ضروری نہیں (حالانکہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کے لئے وضوء کرے گی خواہ اس کا سابقہ وضوء برقرار بھی ہو)۔ اور پھر آگے چل کر اس رائے کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ وقول ربيعة شاذ ليس عليه العمل ''اور ربیعہؒ کا قول شاذ ہے، اس پر عمل نہیں ہے۔'' (۶۵)

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ شاذ سے مراد وہ فرد ہے جو دیگر متعدد افراد کی مخالفت کرے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شاذ پر عمل نہیں ہوتا بلکہ عمل محفوظ پر ہوتا ہے۔ دیگر علماء ومحدثین نے بھی شاذ اور محفوظ سے یہی مراد لیا ہے۔ اصطلاحِ محدثین میں شاذ روایت وہ ہوتی ہے کہ جس میں کوئی ثقہ راوی حفظ وضبط میں اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے یا ثقات کی ایک جماعت کی مخالفت کرے۔ مخالف کی روایت کو شاذ اور جن کی مخالفت کی جا رہی ہے ان کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک شاذ روایت قابل حجت نہیں ہوتی جبکہ محفوظ روایت قابل حجت اور قابل عمل قرار پاتی ہے۔ (۶۶)

مضطرب

''مضطرب'' اضطراب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے موجوں کا ایک دوسرے سے ٹکرانا اور حرکت وجوش میں آنا۔ (۶۷) اصطلاح میں مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں جو مختلف متون واسانید سے مروی ہو، مگر ان میں ایسا اختلاف وتعارض ہو کہ جس کی تطبیق کسی طرح بھی ممکن نہ ہو، مزید برآں یہ تمام متون واسانید قوت میں

بھی برابر ہوں جس وجہ سے ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جا سکے۔قطع نظر اس سے کہ اس حدیث کو ایک ہی راوی دو یا زیادہ مرتبہ روایت کرتا ہو یا دو یا اس سے زیادہ راوی اسے روایت کریں۔(۶۸)

امام خطابیؒ نے مضطرب کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی ہے اور اس سے آپ کی مراد وہی ہے جو محدثین کی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ''جس کسی نے (مشترک) غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس غلام کی آزادی اس (آزاد کرنے والے) کے مال سے ہو گی بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو، اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی متوسط قیمت لگائی جائے، پھر اس سے اپنے مالک کے لئے قیمت کے مطابق محنت کرائی جائے گی جو زیادہ سخت اور بھاری نہ ہو۔''(۶۹)

اس حدیث کے تحت آپ نے پہلے تو امام ابو داودؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ''اس روایت کو یحییٰ بن سعید اور ابن ابی عدی نے سعید بن ابی عروبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں انہوں نے غلام سے محنت کرانے کا ذکر نہیں کیا۔ جبکہ اسی روایت کو یزید ابن زریع نے سعید بن ابی عروبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں اس نے غلام سے محنت کرانے کا ذکر کیا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے اس حدیث کے متن میں اضطراب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اضطرب سعید ابن ابی عروبه فی السعاية ، مرة يذكرها و مرة لا يذكرها ''غلام سے محنت کرانے کے بارے میں سعید بن ابی عروبہ کو اضطراب ہو گیا ہے (چنانچہ) اس نے ایک مرتبہ تو اس کا ذکر کیا ہے جبکہ دوسری مرتبہ اس کا ذکر نہیں کیا۔''(۷۰)

مدرج

''مدرج''ادراج سے ہے اور لغت میں ادراج کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملا دینا۔(۷۱)اور اصطلاح میں مدرج وہ روایت ہے جس کی سند یا متن میں کسی ایسے اضافے کا پتہ چلے جو فی الواقع اس میں نہ ہو۔ (۷۲) یعنی وہ کسی راوی کا اضافہ ہو جو اس نے کسی لفظ کی تشریح وتوضیح کے سلسلے میں کیا ہو لیکن بظاہر وہ حدیث کا حصہ ہی معلوم ہو۔امام خطابیؒ نے بھی اس اصطلاح کو اسی معنی میں استعمال فرمایا ہے، جیسا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے:

''حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نسبت افضل ہے۔اور بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلے میں آدھی ہوتی ہے۔اور لیٹ کر پڑھنے والے کی نماز بیٹھ کر پڑھنے والے کی نسبت آدھی ہوتی ہے۔''(۷۳)

اس حدیث کے تحت آپ نے نقل فرمایا ہے کہ واما قوله : وصلاته نائماًولم تکن من کلام بعض الرواة أدرجه فی الحدیث (۷۴) ''اور رہی بات آپ ﷺ کے ان الفاظ'' اور لیٹ کر پڑھنے والے کی نماز بیٹھ کر پڑھنے والے کی نسبت آدھی ہوتی ہے'' کی ، تو مجھے علم نہیں کہ میں نے یہ الفاظ اس حدیث کے سوا کہیں بھی سنے ہوں اور نہ ہی مجھے کسی اہل علم کے متعلق یاد ہے کہ اس نے لیٹ کر نفلی نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو جیسا کہ انہوں نے بیٹھ کر اسے پڑھنے کی اجازت دی ہے ۔ پس اگر یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہوں اور کسی راوی کا کلام نہ ہو کہ جسے اس نے حدیث میں درج کر دیا ہو (تو پھر بیٹھ کر نفل پڑھنے کی طاقت کے باوجود انہیں لیٹ کر پڑھنا جائز ہوگا) ۔''

یہاں واضح لفظوں میں موجود ہے کہ امام خطابیؒ نے حدیث میں رواۃ کے اضافے کو ادراج سے تعبیر فرمایا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک ادراج سے مراد راوی کا اضافہ ہی ہے جیسا کہ اوپر بھی اس کی کچھ توضیح گزر چکی ہے ۔

مقلوب

''مقلوب'' قلب سے ہے اور اس کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو الٹ دینا ۔ (۷۵) اصطلاح میں مقلوب اس روایت کو کہتے ہیں جس کے کسی راوی سے متن کا کوئی لفظ یا سند میں راوی کا نام یا نسب بدل گیا ہو یا راوی نے تقدیم وتاخیر سے کام لیا ہو ۔ (۷۶)

اس کی بھی دو قسمیں ہیں : مقلوب السند اور مقلوب المتن ۔ یعنی اگر سند میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو مقلوب السند اور اگر متن میں تبدیلی ہوئی ہو تو مقلوب المتن ۔ محدثین نے مقلوب حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس میں راوی کے ضبط کی خرابی کی وجہ سے تبدیلی واقع ہوتی ہے تاہم اہل علم نے امتحان کی غرض سے اس کا جواز ظاہر کیا ہے بشرطیکہ اختتامِ مجلس سے پہلے حقیقت واضح کر دی جائے ۔ (۷۷)

امام خطابیؒ نے بھی اس اصطلاح کا ذکر فرمایا ہے ، چنانچہ جہاں آپ نے گناہ کے کام کی نذر ماننے کے مسئلے میں کلام فرمایا ہے وہاں آپ نے نقل فرمایا ہے کہ ''امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور سفیان ثوریؒ کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مان لے تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے اور انہوں نے اس مسئلے میں حدیثِ زہری سے حجت پکڑی ہے اور اسے امام ابوداودؒ نے اس مسئلے میں روایت کیا ہے (اور وہ یہ ہے کہ) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گناہ کے کام میں نذر ماننا جائز نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے ۔'' (۷۸) اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے مطابق فتویٰ دینا واجب ہوگا اور اسی کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا ، مگر حدیث کی معرفت رکھنے والے علماء کا گمان ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے ۔''

یہ نقل کرنے کے بعد امام خطابیؒ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں سلیمان بن ارقم

راوی کو غلطی لگی ہے اور اس نے حدیث کی سند کو بدل دیا ہے چنانچہ حدیث کی سند یوں ہے'' عن یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمه عن عائشه '' جبکہ اس نے اسے بدل کر یوں بیان کر دیا ہے''عن الزہری عن ابی سلمہ عن عائشہؓ''۔ پھر آپ نے واضح لفظوں میں فرمایا ہے کہ والحدیث من طریق الزهری مقلوب ، فالاحتجاج به ساقط ۔ والله اعلم ۔(۷۹) ''زہری کے طریق سے یہ حدیث مقلوب ہے اور اس سے احتجاج ساقط ہے۔(والله اعلم)''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام خطابیؒ کے نزدیک مقلوب حدیث قابل حجت نہیں۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے کتاب کے مقدمہ میں ضعیف حدیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے جہاں اس کی سب سے بدترین قسم''موضوع'' کا ذکر فرمایا ہے وہاں ایک قسم''مقلوب'' کا بھی ذکر کیا ہے(۸۰) اور ضعیف حدیث آپ کے نزدیک قابل حجت نہیں جیسا کہ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

مجہول

مجہول سے مراد وہ راوی ہے جس کی صفات یا حالات غیر معروف ہوں۔ جس روایت کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو وہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف و نا قابل حجت ہے۔(۸۱) امام خطابیؒ نے بھی اس روایت کو ضعیف ہی کہا ہے، جیسا کہ معالم السنن کے مقدمہ میں آپ نے ضعیف حدیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم ''مجہول'' بھی بیان فرمائی ہے۔(۸۲) نیز آپ نے متعدد مقامات پر اُن روایات کو ضعیف قرار دیا ہے جن میں کوئی مجہول راوی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ان تحت کل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وانقوا البشر(۸۳) ''بیشک ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا تم بالوں کو (اچھی طرح) دھوؤ اور چمڑے کو خوب صاف کرو۔''

اس کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ والحدیث ضعیف والحارث بن وجیه مجهول(۸۴) ''یہ حدیث ضعیف ہے(کیونکہ)(اس کی سند میں) حارث بن وجیہ راوی مجہول ہے۔

حاصل بحث

امام خطابیؒ ایک جلیل القدر محدث تھے۔ آپ نے سنن ابوداود کی شرح معالم السنن میں احادیث کی تشریح کے ساتھ ساتھ بہت سی اصطلاحاتِ حدیث بھی ذکر فرمائی ہیں۔ ان اصطلاحات میں اکثر و بیشتر محدثین نے آپ سے اتفاق ہی کیا ہے، شاید ہی کسی نے آپ سے اختلاف یا آپ پر کوئی اعتراض کیا ہو۔ نیز اصطلاحاتِ حدیث کے حوالے سے بعض اُمور میں امام خطابیؒ کو اوّلیت بھی حاصل ہے جیسا کہ حافظ عراقیؒ کے بیان کے مطابق حدیث کی تین انواع (صحیح ،حسن اور ضعیف) میں تقسیم سب سے پہلے امام خطابیؒ نے ہی مقدمہ معالم السنن میں ذکر فرمائی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ،مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۹ھ، کتاب الوضوء ، باب البول قائما وقاعدا (رقم الحدیث: ۲۲۴)۔

(۲) خطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم، معالم السنن ،تحقیق: محمد راغب الطباخ، مطبع علمیۃ حلب، ۱۳۵۱ھ، (۲۱/۱)۔

(۳) بخاری،الجامع الصحیح ، کتاب العمل فی الصلاۃ ، باب فی الخصر فی الصلاۃ (رقم الحدیث: ۱۲۲۰)۔

(۴) خطابی، معالم السنن ۲۳۳/۱۔

(۵) ایضا ۹۹/۴۔

(۶) ایضا ۲۰۲/۱۔

(۷) ابن حجر عسقلانی، حافظ ابوالفضل شہاب الدین، نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر ،مطبعۃ سفیر ریاض، ۱۴۲۲ھ، ص: ۳۵۔

(۸) سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ،تحقیق: ابوقتیبہ نظر محمد الفاریابی، دار طیبہ قاہرہ، ۱۴۱۱ھ، ۲۹/۱۔

(۹) حاکم، ابوعبداللہ نیشاپوری، المدخل الی الصحیح ،مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ ص: ۸۲۔

(۱۰) خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۱۰ھ، ۳۶۶/۱۔

(۱۱) صبحی ابراہیم الصالح، علوم الحدیث ومصطلحه، دار العلم للملایین بیروت، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۰۔

(۱۲) معالم السنن ۲۸۹/۱۔

(۱۳) ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم، المصنف فی الاحادیث والآثار ،مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۰۹ھ، کتاب فضائل القرآن ، باب فی فضل من قرأ القرآن ۱۲۰/۶، (رقم: ۲۹۹۵۲)۔

(۱۴) معالم السنن ۲۵/۴۔

(۱۵) ایضا ۳/۱۔

(۱۶) نووی، محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۲ھ، ۶۲/۱۔

(۱۷) نووی، محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف، التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر فی اصول الحدیث ، دار

الکتاب العربی بیروت،۱۴۰۵ھ،ص:۳۳۔

(۱۸) ابن حجر عسقلانی ، حافظ ابو الفضل شہاب الدین ، النکت علی کتاب ابن الصلاح ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ، ۱۴۰۴ھ،۵۱۳/۱۔

(۱۹) معالم السنن ۶/۱۔

(۲۰) عراقی ، ابو الفضل زین الدین ، التقیید والایضاح شرح مقدمۃ ابن الصلاح ،تحقیق : عبد الرحمٰن محمد عثمان ، مکتبہ السّلفیہ مدینہ،۱۹۶۹ء،ص:۱۹۔

(۲۱) ابن تیمیہ، ابو العباس تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ، مجموع الفتاوی،تحقیق: عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم ،مجمع الملک فہد مدینہ،۱۹۹۵ء، ۲۳/۱۸۔

(۲۲) معالم السنن ۶/۱۔

(۲۳) ابن صلاح ، ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن شہرزوری ، مقدمۃ ابن الصلاح ''معرفۃ انواع علوم الحدیث ''،تحقیق : ماہر یسین الفحل ، دار الکتب العلمیۃ بیروت،۱۴۲۳ھ،ص:۲۱۲۔

(۲۴) نووی، التقریب والتیسیر ص:۲۵۔

(۲۵) ابن ملقن ،سراج الدین عمر بن علی بن احمد الانصاری ، المقنع فی علوم الحدیث،تحقیق: عبد اللہ بن یوسف ، دار فواز سعودیہ،۱۹۹۲ء، ۴۱/۱۔

(۲۶) معالم السنن ۶/۱۔

(۲۷) تدریب الراوی ۱۶۶/۱۔

(۲۸) سنیکی ، زین الدین ابو یحییٰ زکریا بن محمد بن زکریا الانصاری ، فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی،تحقیق : ماہر فحل ، دار الکتب العلمیۃ بیروت،۲۰۰۲ء، ۱۴۴/۱۔

(۲۹) بقاعی، برھان الدین ابراہیم بن عمر، النکت الوفیۃ بما فی شرح الالفیۃ ،مکتبۃ الرشد ریاض،۱۴۲۸ھ، ۲۲۱/۱۔

(۳۰) تدریب الراوی ۱۶۷/۱۔

(۳۱) سخاوی ،شمس الدین ابو الخیر ، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ،تحقیق : علی حسین علی ، مکتبۃ السنۃ مصر ، ۱۴۲۴ھ، ۹۳/۱۔

(۳۲) ابن حجر عسقلانی، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ص:۷۸۔

(۳۳) معالم السنن ۶/۱۔

(۳۴) ایضا، ۸۰/۱۔

(۳۵) ایضا، ۱۳۵/۲۔

(۳۶) ایضا، ۲۶۳/۲۔

(۳۷) **ایضا**،۶/۱۔

(۳۸) مقدمة ابن الصلاح،۲۰۱/۱۔

(۳۹) **نورالدین عتر**، منہج النقد فی علوم الحدیث ،**دارالفکر دمشق**،۱۴۱۸ھ،**ص**:۳۰۱۔

(۴۰) معالم السنن ۳/۱۔

(۴۱) **ایضا**۹۹/۴۔

(۴۲) **ایضا**،۳۷/۴۔

(۴۳) **ملخص از: قاسمی، محمد جمال الدین**، قواعد التحدیث ،**دارالکتب العلمیۃ بیروت**،۱۹۹۹ء،**ص**:۱۱۳۔

(۴۴) **ابن تیمیہ**، مجموع الفتاوی ۲۵۰/۱۔

(۴۵) **شوکانی، محمد بن علی بن محمد**، نیل الاوطار ،**دارالحدیث مصر**،۱۴۱۳ھ،۲۶/۱۔

(۴۶) تدریب الراوی (۳۵۱/۱)قواعد التحدیث،**ص**:۱۱۶۔

(۴۷) تدریب الراوی ،۱۸۳/۱،۱۸۴۔

(۴۸) مقدمة ابن الصلاح،۱۱۶/۱۔

(۴۹) معالم السنن،۲۷۶/۴۔

(۵۰) **ایضا**،۴۲/۱۔

(۵۱) **ایضا**،۶۵/۱۔

(۵۲) **ایضا**،۹۴/۱۔

(۵۳) تدریب الراوی،۲۳۵/۱۔

(۵۴) معالم السنن،۹۰/۳۔

(۵۵) مقدمة ابن الصلاح،۱۳۲/۱۔

(۵۶) التقریب والتیسیر،**ص**:۳۵۔

(۵۷) **ابو داود ،سلیمان بن اشعث** ، سنن ابوداود ،**مطبوعہ دار السلام ریاض** ،**۱۴۲۰ھ** ،ابواب الاجارة ، باب فیمن أحیا حسیرا (**رقم الحدیث**:۳۵۲۴)۔

(۵۸) معالم السنن،۱۶۰/۳۔

(۵۹) سنن ابو داود ، ابواب الاجارة ، باب فی الرجل یفلس فیجد الرجل متاعه بعینه عنده (**رقم الحدیث**:۳۵۲۰)۔

(۶۰) معالم السنن،۱۵۹/۳۔

(۶۱) نزھة النظر،**ص**:۱۰۱۔

(۶۲) **حاکم، ابوعبداللہ نیشاپوری**، معرفة علوم الحدیث ،**دارالکتب العلمیۃ بیروت**،۱۹۷۷ء،**ص**:۲۵۔

(۶۳) سنن ابوداود، کتاب الادب، باب فی ھدی الرجل (رقم الحدیث:۴۸۶۴)۔

(۶۴) معالم السنن ۱۱۹/۴۔

(۶۵) ایضا،۹۴/۱۔

(۶۶) دیکھئے: مقدمة ابن الصلاح ص:۱۶۳؛ تدریب الراوی، ۲۶۷/۱۔

(۶۷) ابن منظور افریقی، جمال الدین ابوالفضل،لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۴۱۴ھ، (مادہ: ضرب)۔

(۶۸) عجاج خطیب، اصول الحدیث 'علومه ومصطلحه'، دار الفکر بیروت، ۱۹۸۹ء، ص:۳۴۴۔

(۶۹) سنن ابو داود ، کتاب العتق ، باب من ذکر السعایة فی ھذا الحدیث (رقم الحدیث:۳۹۳۸)۔

(۷۰) معالم السنن ،۷۰/۴۔

(۷۱) لسان العرب (مادہ: درج)۔

(۷۲) دیکھئے:مقدمة ابن الصلاح ص:۱۸۔

(۷۳) بخاری،الجامع الصحیح ، کتاب التقصیر ، باب صلاة القاعد (رقم الحدیث:۱۱۱۵)۔

(۷۴) معالم السنن ،۲۲۵/۱۔

(۷۵) لسان العرب (مادہ: قلب)۔

(۷۶) نزھة النظر ص:۱۱۶؛منھج النقد ص:۴۳۵۔

(۷۷) فتح المغیث،۳۱۹/۱۔

(۷۸) سنن ابو داود ، کتاب الایمان والنذور ، باب من رأی علیه کفارة اذا کان فی معصیة (رقم الحدیث:۳۲۹۰)۔

(۷۹) معالم السنن،۵۴/۴، ۵۵۔

(۸۰) ایضا،۶/۱۔

(۸۱) توضیح الافکار،۱۸۵/۲۔

(۸۲) معالم السنن،۶/۱۔

(۸۳) سنن ابو داود ، کتاب الطھارة ، باب فی الغسل من الجنابة (رقم الحدیث:۲۴۸)۔

(۸۴) معالم السنن ،۸۰/۱۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆